پروفیسر محمد سلیم ★

عصر حاضر میں احیائے اسلام کی لہر

عثمانی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی عالم اسلام کا انحطاط اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ یورپ جس وقت احیائے علوم کی تحریک کے نتیجے میں علمی اور سائنسی میدان میں برابر آگے بڑھ رہا تھا اس وقت عالم اسلام قدم بقدم پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۹ء) کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور یورپی اقوام اس خوان یغما پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑیں۔ ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال نے اسلامی خلافت کا خاتمہ کر کے ترکی کو سیکولر پبلک قرار دے دیا۔ جس سے مسلمانوں کی رہی سہی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔ اس طرح بیسوی صدی عیسوی کے ربع اول میں عالم اسلام پر مغربی طاقتوں کا استیلا مکمل ہو گیا۔ اس دور میں ایک آدھ کے سوا کوئی مسلمان ملک بھی مکمل آزاد ہونے کا دعوی نہیں کرسکتا تھا۔ مشرق وسطی ہو یا مشرق بعید ہر جگہ یورپی طاقتوں کی ترک تازیاں جاری تھی۔ اگر کوئی مسلمان ملک آزاد تھا بھی تو اس کی آزادی مغربی طاقتوں کی ضمانت کی مرہون منت تھی۔ اس سیاسی انحطاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہر شعبہ میں زوال پذیر ہو گئے۔ حتی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ اسلام کے بارے میں بھی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مغربی طاقتوں نے ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ خیال بٹھا دیا کہ ان کے زوال اور پس ماندگی کا حقیقی سبب ان کا مذہب ہے۔ لہذا جب تک وہ اسلام کے بارے میں سیکولر انداز فکر اختیار نہیں کریں گے وہ دنیا میں ترقی نہیں کرسکتے۔ یہ دور وطنی قومیت پرستی کا دور تھا۔ ہر قوم اپنے وطن کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھی۔

مغربی طاقتوں کی کوشش تھی کہ مسلمان بھی دوسری اقوام کی طرح وطن پرستی کا نظریہ اختیار کرلیں اور مختلف ممالک میں آباد مسلمان اپنے اپنے وطن کے نام سے پہچانے جائیں۔ مغرب میں مذہب کو سیاست سے پہلے بھی دیس نکالا دیا جا چکا تھا اور مغربی طاقتوں کی خواہش تھی کہ مسلمان بھی دین اور سیاست کی دوئی کا نظریہ اختیار کر کے مغربی انداز و فکر کے ساتھ سپر ڈال دیں۔ اس مقصد کے لئے بے شمار لٹریچر شائع ہوا اور مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ سیاست کو دین سے جدا کر کے بھی وہ دین میں معزز مقام حاصل کرسکتے ہیں۔

(دوسری طرف مسلمان ممالک میں قومی ریاستیں تو موجود تھیں لیکن کوئی ایسی ریاست نہیں پائی جاتی تھی جو

★ سابق صدر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج لاہور

خالصتاً اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہو۔ ترکی ایران شام مصر افغانستان عراق غرضیکہ بیسیوں ممالک تھے جن میں مسلمانوں کی غالب اکثریت آباد تھی لیکن ان میں سے کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے وجود کو اسلامی نظرئے کا مرہون منت قرار دیتا ہو۔ مغربی دنیا کی قومی ریاستوں کی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی قومی ریاستیں آباد تھیں۔ خلافت راشدہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے مختصر سے عہد خلافت کے بعد اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا رشتہ عوام کے خوش دلانہ انتخاب سے کٹ چکا تھا۔ اب حکمران محض تلوار کے زور پر تخت حکومت پر قبضہ کرتے تھے۔ اور جو بھی شخص اقتدار پر فائز ہوجاتا وہ عوام سے اپنی بیعت لے لیتا اور علماء اس کا نام جمعے کے خطبے میں شامل کرلیتے تھے۔ اس کے مقابلے میں مغربی ممالک میں جمہوری نظام وجود میں آچکا تھا جس کی رو سے اقتدار عوام کو منتقل ہو چکا تھا۔ خالص جمہوری نظام میں آپ خواہ کتنے عیب نکالیں لیکن اس میں ایک بات مسلمہ ہے کہ حکمران اقتدار پر غاصبانہ قبضہ نہیں کرتا بلکہ وہ عوام کی طرف سے منتخب ہو کر آگے آتا ہے اس کے برخلاف عالم اسلام میں ابھی تک بادشاہت کا دور جاری تھا۔ جس میں ایک بادشاہ کے مرنے کے بعد دوسرا بادشاہ تخت نشین ہوجاتا تھا۔ ان حالات میں عالم اسلام کا انحطاط اپنی آخری حد کو چھو رہا تھا اور مسلمانوں کو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس قعر مذلت سے کیسے نکل سکتے ہیں۔ ایک طرف تحریک احیائے علوم کے نتیجے میں مغرب کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھ رہا تھا دوسری طرف مسلمان ممالک میں ہر قوم انحطاط کو مزید گہرا کرتی جارہی تھی۔ اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف دینی اور سیاسی لحاظ سے بلکہ ذہنی اور فکری اعتبار سے بھی عالم اسلام مغربی دنیا سے شکست کھا گیا اور یہ شکست خوردگی اس قدر شدید ہو گئی کہ مسمانوں میں اپنے مستقبل کے بارے میں مایوسی پیدا ہونے لگی ۔ دوسری طرف مغربی مفکرین مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں کرنے لگے کہ کوئی تہذیب زوال پذیر ہونے کے بعد دوبارہ توجہ حاصل نہیں کرسکتی۔ اس ضمن میں وہ رومی اور یونانی تہذیبوں کی مثال دیتے تھے جو کسی زمانے میں دنیا کی غالب تہذیبیں شمار ہوتی تھیں لیکن ایک مرتبہ جب زوال پذیر ہوگئیں تو پھر دوبارہ کبھی نہ ابھر سکیں۔ ایسی مثال سے وہ مسلمانوں کو باور کروانا چاہتے تھے کہ اسلامی تہذیب اپنا عروج کا زمانہ گذار کر دنیا سے رخصت ہوچکی ہے لہذا اب یہ دوبارہ کبھی ابھر نہیں سکے گی۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اسلام کے احیاء کا خیال دل سے نکال دیں اور مغربی تہذیب کو اپنالیں جو اس زمانے کی غالب تہذیب ہے۔

(انیسویں صدی عیسوی کے آواخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں عالم اسلام مکمل طور پر پسپائی اختیار کر چکا تھا اور مغربی تہذیب کا ہر قدم آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس عالم مایوسی میں مسلمانوں میں کئی مفکر پیدا ہوئے

جنہوں نے اسلامی تہذیب کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کی کوشش کی ان مفکرین میں جمال الدین افغانی مصر کے محمد عبدہ اور ہندوستان کے سر سید کے علاوہ اور متعدد اصحاب فکر شامل تھے لیکن جس شخص نے فکری محاذ پر سب سے زیادہ کام کیا وہ ہندوستان کے حضرت علامہ اقبال؎ تھے انہوں نے مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں کو چیلینج کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں امید کی شمع روشن کی انہوں نے مسلمانوں کو بتایا کہ مغربی مفکرین کا یہ خیال غلط ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا باعث ان کا مذھب ہے بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور مسلمان اس لئے زوال پذیر ہیں کہ انہوں نے اسلام کے آفاقی پیغام کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اگر وہ موجودہ قعر ذلت سے نکلنا چاہتے ہیں تو اپنے افکار کی تطہیر کریں اور اسلامی تعلیمات پر جو گرد و غبار بیٹھ چکا ہے اسے صاف کر کے اسلام کو اس کے اصل روپ میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیں۔ انہوں نے پیشگوئی کی کہ مغربی تہذیب عنقریب زوال پذیر ہوجائے گی کیوں کہ یہ روحانی اقدار سے تہی دامن ہے۔ انہوں نے یہ پیشگوئی بھی کی کہ اسلام عنقریب پھر عروج پذیر ہوگا اور مادیت سے تنگ آئی ہوئی دنیا اسلام کی اخلاقی اور روحانی قدروں کے سائے تلے پناہ لے گی۔ انہوں نے مادی تبدیلی کے لئے حکومتی تبدیلی پر زور دیا اور کہا

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ساتھ ہی انہوں نے خوشخبری سنائی کہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا تھا قمار خانہ

انہوں نے مسلم نوجوانوں کو بتایا کہ مغربی دانش وروں کا یہ پراپیگینڈہ سراسر بے بنیاد ہے کہ اب اسلامی تہذیب کا دوبارہ احیاء نہیں ہوسکتا بلکہ ان کے خیال میں ایسے آثار و شواہد صاف نظر آرہے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جس تہذیب نے عرب کے ریگ زاروں سے اٹھ کر رومی اور ایرانی تہذیب کو شکست فاش دی تھی وہ تہذیب اب دوبارہ بیدار ہورہی ہے وہ فرماتے ہیں۔

کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے عشق بلا خیز کا قافلہ سخت جاں
دیکھ چکا المنی شورش اصلاح دیں جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشاں
حرف غلط بن گئی عصمت پیر کنشت اور ہوئی فکر کی کشتی نازک رواں

چشم فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب　　جس سے دگر گوں ہوا مغربیوں کا جہاں
ملت رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر　　لذت تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں
روح مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب　　راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں
دیکھیے دس بحر کی تہ سے ابھرتا ہے کیا　　گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا

اقبال نے ملت اسلامیہ کو صرف افکار تازہ ہی سے روشناس نہیں کرادیا بلکہ انہوں نے اسلامیان ھند کو ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کا راستہ بھی دکھایا۔ اپنے خطبہ الٰہ آباد میں انھوں نے تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے انہیں باقی حصہ ملک سے علیحدہ کرکے نئی ریاست وجود میں لائی جائے جو خالصتاً اسلام کے نام پر قائم ہو۔ انہوں نے اس ریاست کے قیام کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اس سے اسلام کو یہ موقعہ مل جائے گا کہ وہ ان اثرات ونقوش سے آزاد ہو کر جنہیں عربی شہنشاہیت نے اس پر ثبت کررکھا ہے اپنے قوانین اپنی ثقافت اور اپنی تعلیم کو مرتکز کرکے انہیں ایک طرف ان کی حقیقی اور اصلی روح سے قریب تر لے آئے اور دوسری طرف عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی کردے"

دوسرے لفظوں میں قیام پاکستان کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ اس سے اسلامیان ہند کا وجود محفوظ ہوجائے گا بلکہ اسی کا اصل مقصد احیائے اسلام ہے تاکہ اسلام دوبارہ زندہ ہو کر عالمی تناظر میں اپنا عادلانہ رول ادا کرسکے۔ یہ بات بڑی اہم ہے کہ پاکستان کا مطالبہ اسلامی نظریئے کی بنیاد پر کیا گیا۔ پاکستان سے قبل کسی ایسی ریاست کا وجود نظر نہیں آتا جو محض اسلام کے نام پر وجود میں آتی ہو۔ اس لئے پاکستان کو تحریک واحیائے اسلام میں کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ آپ سارے عالم اسلام پر نظر دوڑالیجئے آپ کو کوئی بھی ایسا ملک نظر نہیں آئے گا جو محض اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ تمام اسلامی ممالک اپنی جغرافیائی حدود زبان نسل کی بنیاد پر قائم ہوں گے یعنی کوئی ایک ایسا ملک نظر نہیں آئے گا جسکی قومیت کا دارومدار صرف اور صرف اسلام ہو اسی لئے اعدائے اسلام نے قیام پاکستان کے وقت بھی یہ خطرہ محسوس کرلیا تھا کہ اس سے اسلامی تشخص کو فروغ ملے گا۔ یہ خطرہ نہ صرف ان غیر مسلم ممالک کو لاحق تھا جنہوں نے مسلمانوں کی خطیر آبادی کو انسانی حقوق سے محروم کررکھا تھا بلکہ بادشاہی نظام میں جکڑے ہوئے مسلمان ممالک بھی محسوس کرنے لگے کہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والی یہ ریاست ان کے شاہی نظام کے لئے نیک فال ثابت نہیں ہوگی۔

"قیام پاکستان کے بعد مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک بے شمار مسلم ممالک آزاد ہوئے۔ اور دنیا کی خطیر

مسلمان آبادی اغیار کی غلامی سے نجات پا گئی۔ لیکن ان کی آزادی احیائے اسلام کی تحریک کی مرہون منت نہیں تھی بلکہ ان کا فلسفۂ قومیت مغرب سے مستعار لیا ہوا تھا بہر حال ان کی آزادی سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ غلامی کا جوا اتر جانے کے بعد ان ممالک میں احیائے اسلام کی تحریکیں شروع ہوگئیں پاکستان کے قیام سے احیائے اسلام کی تحریک کو جو مہیز لگی تھی اس کا دوسرا مظاہرہ ہمسایہ اسلامی ملک ایران میں دیکھنے میں آیا۔ ایران میں ہزار سالہ بادشاہت قائم تھی اور یہ بادشاہت اس قدر مضبوط تھی کہ کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اس ملک سے بادشاہت کی بساط چندہ ماہ میں لپیٹ دی جائے گی لیکن جب یہاں کے عوام بادشاہت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو کوئی طاقت ان کا راستہ نہ روک سکی۔ ایران کا اسلامی انقلاب اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ ایرانیوں نے بھی ہندستانی مسلمانوں کی طرح اپنے اسلامی تشخص سے تقویت حاصل کرکے بادشاہت کا جوا کندھوں سے اتار پھینکا۔ آیتُ اللہ روحُ اللہ خمینی فرانس میں بیٹھ کر اس تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے شہنشاہ ایران نے اس تحریک کو کچلنے کے لئے استعمال کیا لیکن عوامی سیلاب کے سامنے اس کی فوج زیادہ دیر ٹھہر نہ سکی اور شہنشاہ کو ایران سے بھاگنا پڑا۔

ایرانی انقلاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس نے ایرانیوں کا اسلامی تشخص بیدار کردیا۔ چوں کہ ایران میں شیعہ مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے اس لئے وہاں کے اسلامی انقلاب پر شیعت کا رنگ غالب ہے لیکن یہ ایک فطری امر ہے۔ بہرحال اس سے احیائے اسلام کی تحریک کو بڑی مہیز ملی ہے ایرانی انقلاب چونکہ علماء کی رہنمائی میں برپا ہوا ہے اس لئے اس کے اثرات ایرانی معاشرے کے ہر طبقے پر بڑے نمایاں ہیں۔ ایرانی انقلاب ابھی تک اپنے استحکام میں مصروف ہے اگر ایرانی علمانے وسعت قلبی سے کام لیا تو وہ مستقبل کی احیائے اسلام کی تحریک میں بڑا اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔

"پاکستان اور ایران کے بعد احیائے اسلام کا تیسرا مظہر افغان مجاہدین ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں جب روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں تو ساری دنیا میں یہ تاثر عام تھا کہ اب ان فوجوں کو افغانستان سے باہر نکالنا ممکن نہیں ہے لیکن افغانستان کے نہتے عوام اپنے ملک کے اسلامی تشخص کو بچانے کے لئے جب میدان کارزار میں کود پڑے تو پھر دیکھتے ہی دیکھتے روسی فوج ہر محاذ پر پسپا ہونے لگی۔ مسئلہ افغانستان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اہل افغانستان نے اشتراکیت کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اعلان کیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی آزادی سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ روس ایک سپر پاور ہے۔ اس کے مقابلے میں نہتے افغان عوام کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن وہ محض اپنے جذبہ ایمانی کے بل بوتے پر پہاڑ سے ٹکرا گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کو افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانا

پڑیں۔ اگرچہ افغانستان کا مسئلہ ابھی اطمینان بخش طریقے سے حل نہیں ہوسکا لیکن یہ کامیابی کچھ کم کامیابی نہیں ہے کہ افغان عوام نے روسی فوج کے ناقابل شکست ہونے کا زعم باطل کردیا۔ افغان عوام کی کامیابی سے مغربی دنیا میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور مغربی ممالک نے محسوس کرنا شروع کردیا کہ اگر احیائے اسلام کی تحریک اسی طرح قدم بہ قدم آگے بڑھتی گئی تو ان کی عالمی بالادستی کب تک باقی رہ سکتی ہے۔ چنانچہ آثار و قرائن بتاتے ہیں کہ ساری اسلام دشمن طاقتیں اب اسلام کے بڑھتے ہوئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہورہی ہیں۔ امریکہ جو پہلے روسی فوجوں کے خلاف افغان مجاہدین کی مدد کررہا تھا اب اسلامی بنیاد پرستی کا راستہ روکنے کےلئے روس سے مفاہمت پر تیار ہوگیا ہے اسی طرح بھارت اور اسرائیل بھی احیائے اسلام کی تحریک سے خوف زدہ ہیں اور خود مسلمان ممالک کے حکمران بھی اسلامی تحریکوں کا راستہ روکنے کےلئے ان طاقتوں سے تعاون کرنے کیلئے تیار ہیں۔ مغرب کے نزدیک لبرل اسلام تو قابل قبول ہے لیکن بنیاد پرست اسلام گوارہ نہیں ہے اسی لئے مغرب کی خواہش یہ ہے کہ آزاد مسلمان ممالک میں ایسے لوگ برسر اقتدار لائے جائیں جو لبرل قسم کے مسلمان اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہوں۔ بنیاد پرست مسلمان نہ ہوں " افغانستان میں مسلمان مجاہدین کی کامیابی سے صرف روسی فوجوں ہی کو واپس روس نہیں جانا پڑا بلکہ اس سے خود روس کا شیرازہ بھی درہم برہم ہونے کو ہے۔ روس میں اشتراکیت کی ناکامی کی بیسیوں وجوہات گنوائی جاسکتی ہیں لیکن اس بات سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسکی دوسری وجہ افغان مجاہدین کی تحریک مزاحمت ہے۔ روس مختلف قومیتوں کا چوں چوں کا مربہ ہے۔ جنھیں اشتراکیوں نے محض طاقت کے بل پر اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ اب جبکہ کمیونسٹ پارٹی کا شکنجہ ڈھیلا ہوا ہے تو مختلف قومیتوں نے اپنی آزادی کا مطالبہ شروع کردیا ہے۔ چنانچہ بحیرہ بالٹک کی ریاستوں لتھونیا، ایستونیا اور لٹویا نے یک طرفہ آزادی کا اعلان کردیا ہے۔ لیکن روس کو اصل خطرہ وسط ایشیا کی ان مسلمان ریاستوں سے ہے جن میں اسلامی تحریکیں ابھر رہی ہیں۔ یہ بھی افغان مجاہدین کی تحریک مزاحمت کا فیضان ہے کہ روس کے غلام مسلمانوں کے دلوں میں بھی آزادی کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی اور ازبکستان، تاجکستان، آذربائیجان، ترکمانستان، اور کرغیز کی ریاستوں میں ہزاروں کی تعداد میں نئی مسجدیں قائم ہوگئیں اور سعودی عرب سے قرآن پاک کی لاکھوں نسخوں کی تقسیم کے بعد بھی ھل من مزید کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ روسی مسلمانوں میں اسلامی تشخص کی بیداری کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس پر ساری مغربی دنیا کے کان کھڑے ہوگئے ہیں اور اسے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ سنٹرل ایشیا کی ماوراء النہر کی اسلامی تہذیب عنقریب نئی کروٹ لینے والی ہے اور ثمرقند بخارا اور خیوا کے مدرسے پھر قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں

سے گونجنے والے ہیں۔ چنانچہ ... بی دنیا اسلامی لہر کا راستہ روکنے کےلئے روس کو ہر قسم کی مالی اور اخلاقی مدد دینے کےلئے بے چین ہورہی ہے۔

"جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے رواں صدی میں احیائے اسلام کی تحریک اسی سرزمین سے پھوٹی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا کہ

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے۔

یہ ھندوستانی مسلمان ہی تھے جنھوں نے اپنے اسلامی تشخص کو تحفظ کےلئے ایک الگ خطہ زمین کا مطالبہ کیا تاکہ اسے اسلام کی لیبارٹری بنا کر پوری دنیا کو نور اسلام سے منور کردیا جائے۔ اگرچہ یہ مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوسکا اور بعض وجوہات کی بنا پر پاکستان اسلام کی لیبارٹری کی صورت میں نہیں چل سکا لیکن اسی بات کے قرائن صاف نظر آرہے ہیں کہ یہ کام ہوکے رہیگا۔ جو مملکت ۲۷ رمضان کی رات کو منصہ شہود پر آئی اسکا قیام بلا مقصد نہیں تھا۔ اللہ نے اس سے بڑا کام لینا ہے۔ لہذا جو طاقتیں اسے اسلام کی لیبارٹری بنانے کے راہ میں مزاحم ہوں گی وہ پاش پاش ہوجائیگی اور یہ سرزمین بالاخر مشرق ومغرب کے لئے روشنی کا مینار بن کر چمکے گی۔ اس مملکت سے سب سے زیادہ خوف بھارت کو ہے جس کے وجود سے کاٹ کر اسے ایک الگ خطہ زمین کی شکل دی گئی ہے۔ بھارت اسے اپنے وجود کے لئے خطرہ سمجھتا ہے۔ اور اسے مٹانے کے درپے ہے اس مقصد کے حصول میں اسے تمام اسلام دشمن قوتوں کی تائید حاصل ہے۔ لیکن جس طرح وہ اس کے قیام کا راستہ نہیں روک سکا اسی طرح وہ اس کی بقا کا راستہ بھی نہیں روک سکے گا۔ بھارت اگرچہ اپنی بیس کروڑ مسلمان آبادی کو یرغمال سمجھتا ہے اور وہ اسے پاکستان پر دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کرتا رہا ہے لیکن جس طرح روسی مسلمان روس کے لئے خطرہ ہوئے ہیں اس طرح ایک نہ ایک روز بھارتی مسلمان بھی آزاد ہوکر رہیں گے۔ بھارت زیادہ عرصہ ان کے انسانی حقوق پائمال نہیں کرسکتا۔ ایک نہ ایک روز اسے اپنے تمام مظالم کا حساب چکانا پڑے گا۔

احیائے اسلام کی جو تحریک قیام پاکستان کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی پھر جس تحریک نے ایران کو ایک ظالم شہنشاہ سے نجات دلائی۔ پھر جس تحریک نے روس سپر پاور کا غرور خاک میں ملادیا اب وہی تحریک کشمیری مسلمانوں کی تحریک آزادی کی صورت میں ابھر رہی ہے۔ کشمیری مسلمان بھارتی ظلم وجبر کے مقابلے میں محض اپنے جذبہ ایمانی کی بدولت ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور پنا حق خود ارادیت طلب کررہے ہیں۔ بھارت اسی تحریک کو طاقت کے زور پر ختم کردینا چاہتا ہے اس کا مقابلہ کرنے کےلئے اس کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے۔ وہ ایک کمزور پچ پر کھیل

رہا ہے اس لئے اس کی شکست یقینی ہے۔ کشمیری مسلمانوں کی تحریک آزادی احیائے اسلام کی تحریک ہی کی ایک کڑی ہے۔ اور بھارت کے دل کا اصل روگ یہی ہے کہ احیائے اسلام کی رَو روز بروز پھیلتی جارہی ہے۔ وہ اس کا مقابلہ اٹوٹ انگ " کی رٹ لگا کر کرنا چاہتا ہے لیکن اٹوٹ انگ کی رٹ زیادہ دیر تک سیلاب کا راستہ نہیں روک سکتی۔ کیا عجب کہ کشمیر میں احیائے اسلام کی اس تحریک کی کامیابی سے پاکستان میں بھی اس تحریک کے راستے میں حاصل رکاوٹیں دور ہوجائیں اور پاکستان جس مقصد کےلئے قائم ہوا تھا اس کا حصول آسان ہوجائے۔ اقبال کی یہ پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوگی۔

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
آملیں کے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا جلوۂ توحید سے